

نوٹ: عشق نامہ پاک سوسائٹی کے لیے لکھی گئی خصوصی تحریر ہے۔

## آخری قسط

اگلے دن جب ایک پٹھان، ایک پاکستانی پٹھان جو اس وقت مالٹوں کی ریڑھی لگائے کھڑا تھا اور پچھلے کئی سالوں سے یہاں رہائش پذیر تھا تنکسیم سکویئر کی تنگ گلی میں اس نے اپنے ہم وطن کو لڑکھڑاتے ہوئے پشت پر موجود عمارت کی طرف بڑھتے دیکھا۔ وہ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے تھما تھا۔ صائم نے ایڈریس اس کو دکھایا اور تصدیق چاہی تھی۔ اس نے پیچھے کی طرف اشارہ کیا اور ہم وطن ہونے کے ناطے خیر مقدمی مسکراہٹ اچھالی تھی۔ وہاں صائم سے ماریے کی ماں ایسے ملی تھی جیسے وہ اس کا کوئی بہت قریبی عزیز ہو۔ وہ تھوڑا حیران ہوتا اور ان کی مہمان نوازی کا قائل ہوتا ان کے ڈرامیگ روم میں بیٹھا تھا۔ اس دوران ترکش مٹھائی قہوا اور سنیکس سے میز بھر گیا تھا جسے وہ تھوڑا سا ہی چکھ سکا۔ ماریے نے تیار ہونے میں پونا گھنٹہ لیا تھا اس دوران اس کی ماں نے اسے خاموش نہیں رہنے دیا تھا۔ وہ مسلسل اس سے اس کے خاندان اور جاب، ملک کے بارے میں بات کرتی

رہی تھیں۔

مارپے نے کہا تھا اسے یہاں ٹرام کے علاوہ بس کا تجربہ بھی کرنا چاہیے۔ آج انہیں ایکویریم جانا تھا جہاں وہ بس کے ذریعے پہنچے تھے۔ ایکویریم کی عمارت ساحل سمندر پر واقع تھی۔ وہ اندر داخل ہونے سے پہلے کوریڈور میں لگی دور بین سے وہاں پھیلے اس بیکراں منظر کو دیکھتا رہا۔

اندر داخل ہوتے ہی ایک باز نطنی بحری جہاز تھا۔

بحر اسود (Black Sea) کی گہرائی میں لکڑی کھانے والا کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا جس کی وجہ سے یہ بحری جہاز بہت حد تک محفوظ حالت میں تھا۔ اس میں نمک سے محفوظ کی گئی مچھلی، زیتون کے تیل کی بوتلیں اور شراب بھی برآمد ہوئی جو کہ ہزاروں سال صحیح اور محفوظ حالت میں رہ سکتی ہیں۔ وہ وہاں انجن روم میں لوگوں کو چلتے پھرتے محسوس کر سکتا تھا، کیپٹن کو سٹیئرنگ گھماتے اور لوگوں کو عرشے پر کھڑے۔۔۔ روشن مشعلیں اور رقص کی محفل۔۔۔ سمندر کی جھاگ اڑ کر کپڑوں پر پڑتی تھی۔ مارپے کی آواز اسے جانے کس جہان سے کھینچ کر واپس لائی تھی۔

آگے ایک لکڑی کا گھوڑا رکھا تھا۔ یہ گھوڑا ایک خاص نسبت سے یہاں موجود تھا۔ ٹرائے کی جنگ کا ایک اہم حصہ۔ اسی گھوڑے کے ذریعے پارس کو شکست دی گئی تھی۔ یونانی اساطیر میں ٹرائے کی جنگ بارہ سے تیرہ سو سال قبل مسیح میں لڑی گئی۔ جب پارس کو

ایک دفعہ سپارٹا جانے کا اتفاق ہوا وہاں اس کی ملاقات مینلا یوس کی ملکہ ہیلن سے ہوئی جو اس وقت تمام دنیا کی عورتوں میں سب سے زیادہ حسین تھی۔ وہ اسے اٹھالے گیا تو مینلا یوس نے تمام یونانی بادشاہوں سے مدد مانگی۔ اسی بنا پر نو سال تک ٹرائے کا محاصرہ جاری رہا مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا تھا آخر وہ وہاں کا ٹھک کا گھوڑا چھوڑ آئے۔ ٹروجن (ٹرائے) کے واسیوں کو سمجھ نہ آئی کہ اس کا کیا کریں عبادت کریں یا تباہ کر دیں۔ اسی گھوڑے کے اندر چھپ کر ہی ان پر حملہ کیا گیا اور آخر جنگ جیت لی گئی۔

وہ گھوڑے کا ماڈل دیکھتے ہوئے آگے بڑھے۔ اب ایکویریم شروع ہو رہا تھا۔ نیلے سبز پانیوں میں تیرتی رنگ برنگی مچھلیاں اور آکٹوپس۔۔۔ وہاں موجود گھونگے اور ستارا مچھلی کی مختلف اقسام۔۔۔

وہیں رین فاریسٹ کا مصنوعی ماڈل بھی بنایا گیا تھا۔ اس میں رکھے پرندے اور جانور ، نم دیدہ فرش پر چلتے وہ پرندوں کی چھبھائیں سنتے تھے۔ طوطے بھی وہاں کی گئی مصنوعی گرمی اور بھیگے درختوں پر شور مچاتے تھے۔

صائم نے ان پورشنز کے درمیان بنی دکانوں میں سے جہاں مصالحے ، سکارف ، موسیقی کے آلات اور سوئیرز پڑے تھے کچھ کو لیگنز کے لیے سوئیرز لیے تھے۔ وہیں پر تریشول تھاے ایک قوی شخص کابت تھا جو سمندر میں موجود جل پریوں کی داستان سناتا تھا۔ آگے نہر سویز کا مصنوعی چھوٹا سا ماڈل تھا جس میں لوگ نہر

کھودتے نظر آرہے تھے۔ یہاں نہر کا مکمل نقشہ دکھایا گیا تھا۔ پھر مصنوعی برفانی علاقہ تھا جہاں برفانی غار، برفانی ریچھ، پینگوئن اور برفانی کتوں کے ماڈل تھے۔

اندر مختلف جگہوں پر تصویریں کھینچوانے کی سہولت تھی۔ جہاں انہوں نے ڈھیر ساری تصویریں کھینچوائی تھیں۔ جب وہ عمارت سے باہر نکل رہے تھے تو تصویروں میں پس منظر بدل چکے تھے۔ اب وہاں شارکس تھیں، رنگین مچھلیاں اور سمندر کی تہ کے مناظر۔

وہاں سے وہ ساحل پر چلے آئے تھے۔ ان حنوط شدہ لمحوں میں جہاں وقت کے سانس کی آواز تھی تھی سمندر کے کنارے ماریے اور صائم نے خود کو دیکھا۔ وہ اور صائم زرد، سیاہ اور سبز رنگ کے پانی میں بازو ڈالتے تھے۔

پانی میں گھلے رنگوں کا سارا پیٹرن ان کے بازوؤں پر آ گیا تھا۔ اس نے حیرانی سے اپنے بازوؤں کی طرف دیکھا جہاں سبزے میں زرد گلاب کھل رہے تھے۔ اسی سے کسی نے گٹار پر کوئی دھن چھیڑی تھی جو ان کو سنائی نہ دیتی تھی کیونکہ یہ حنوط لمحے تھے جہاں کوئی کسی کو سن نہیں سکتا۔



"کارل ساگن کے مطابق طویل مجموعی سائنس کہتی ہے کہ بگ بینک پندرہ ارب سال قدیم ہے۔۔۔ ایک زور دار چنگھاڑ کے ساتھ برہمانڈ کی پیدائش ہوئی۔ اور کاسمک

کیلنڈر یا کائناتی کیلنڈر کیا ہے؟ کائنات کی تاریخ کو اگر ایک سال میں پھیلائیں تو فرض کر لیں کائنات یکم جنوری کو وجود میں آئی، مئی تک دودھیا کہکشاں بنی، جون، جولائی، اگست میں

دوسرے سیاراتی نظام وجود میں آئے اور ہمارا سورج اور زمین ستمبر کے وسط میں۔ انسان نے اب تک جو کچھ بھی کیا ہے اس چمکتے ذرے میں یہ تو بہت مختصر ہے اور بہت مختصر وقت ابھی گزرا ہے۔ پندرہ ارب سال بعد دور حاضر ۳۱ دسمبر کے آخری سیکنڈ میں ہے۔ ہر مہینہ ایک چوتھائی ارب سال لمبا ہے، ہر دن چالیس لاکھ سال کا ہے، ہر سیکنڈ پانچ سو سال کا ہے۔

اس پیمائش میں کائناتی کیلنڈر فٹ بال کے میدان جتنا ہے اور انسان کی ساری تاریخ ایک ہاتھ کے حجم کے برابر۔۔۔ ہم اس طویل اور تکلیف دہ راستے سے اس آگ کے دائرے تک پہنچنا چاہتے ہیں جس سے عمل کثافت کے بعد مادہ اور گیس، ستارے، سیارے، کہکشاں، زندگی، عقل و حکمت، مرد اور عورت وجود میں آئے۔ جن تاریخی کائناتی واقعات سے ہم واقف ہیں وہ ۳۱ دسمبر کے آخری منٹ آخری سیکنڈ میں ہوئے ہیں۔ ایسے سمجھیں کچھ بہت اہم واقعات ابھی چند منٹ پہلے ہوئے ہیں۔ ساڑھے دس بجے پہلے انسان نے ڈیویو دیا۔ ہر گزرتے کائناتی منٹ کے ساتھ جو کہ ۳۰۰۰۰ سال لمبا ہے ہم نے سمجھنا

شروع کیا کہ ہم کہاں رہتے ہیں اور ہم کون ہیں۔ بارہ بج کر چھیالیس منٹ پر، صرف چودہ منٹ پہلے آگ دریافت ہوئی۔ بارہ بجنے میں ایک منٹ، بیس سیکنڈ پر جانور، پودے وجود میں آئے اور اوزار تخلیق ہوئے، ۳۵ سیکنڈ بعد ثقافت اور سماج وجود میں آئے۔ ہم انسان تو اس کائناتی تاریخ میں ابھی چند لمحے پہلے ہی وجود میں آئے ہیں کہ ہماری ریکارڈ کی گئی تاریخ اس کائناتی سال کے آخری دن کے آخری منٹ کے چند سیکنڈز میں موجود ہے وقت کے وسیع و عریض سمندر میں جو یہ کیلنڈر دکھاتا ہے۔ ہماری ساری یادیں، وہ ہر شخص جس کے بارے میں ہم نے سن رکھا ہے اس چھوٹے سے سکویئر میں ہے، سارے بادشاہ اور جنگیں، اور ہجرتیں، محبت اور تاریخ کی کتابوں میں جو کچھ بھی ہے اسی سکویئر میں ہے جو کائناتی کیلنڈر میں آخری دس سیکنڈز میں ہوا ہے۔۔۔ ہم ابھی اٹھے ہیں۔۔۔ وقت اور خلا کے وسیع سمندر میں۔۔۔ ہم ۱۵ ارب سال کے کائناتی ارتقا کے وارث ہیں۔ ہمارے پاس انتخاب کرنے کی سہولت موجود ہے کہ ہم یا تو کائناتی علم حاصل کر کے اپنی زندگی کو بہتر بنا لیں یا خود کو بے معنی طور پر تباہ کر کے اس ورثے کو ضائع کر دیں۔ اگلے کائناتی سال کے پہلے سیکنڈ میں کیا ہو گا اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہم ابھی کیا کرتے ہیں اپنی ذہانت اور کائنات کے بارے میں علم کے ساتھ۔

کارل ساگن کے اس لیکچر نے مجھے دنوں محو رکھا تھا۔ "اس نے تقریر کی ابتدا میں ہی ہال کو اپنے سحر میں جکڑ لیا تھا۔ دادا نم آنکھوں سے اسے روسٹرم پر کھڑے دیکھ رہے



تھے۔ باہر برف کے گالے زمین کو چومتے تھے اسے حسن بخشے تھے۔ صبح سے طبیعت میں عجیب سی اداسی در آئی تھی۔ آج انہیں نور کی یونیورسٹی آنا تھا۔ یہاں اس کے پروفیسرز سے مل کر انہیں خوشی اور سکون کا احساس ہوا تھا سب نے اس کی تعریف کی تھی مگر وہ عجیب سی غمزہ اداسی برقرار تھی۔

اور اب جبکہ اس کا سحر سارے ہال میں پھیلا ہوا تھا وہ اسے نم آنکھوں سے تکتے تھے۔ اسے یہاں پڑھتے ہوئے ڈیڑھ سال ہو گیا تھا۔ ایک سال کے ماسٹرز کے پروگرام کے بعد وہ یہیں سے ایم فل کر رہی تھی۔ رزلٹ وصول کر کے وہ دونوں قریب ریسٹوران میں آگئے وہاں ڈٹ کر لंच کیا تھا۔ گھر پہنچتے پہنچتے شام ڈھل آئی تھی۔

"آج میں آپ کی پسند کا کھانا تیار کروں گی۔" اس نے محبت سے ان کے کندھے سے لگتے ہوئے کہا تھا۔

وہ اس رات بہت خوش تھی۔ ذہن سے ساری یادیں اسے لگتا تھا محو ہو گئی ہیں۔ سارے دکھ بھول گئے ہیں وہ وادی استغنا میں تھی۔۔۔

"کیا وہ وادی استغنا میں تھی؟" وہ خود سے پوچھتی تھی۔ صبح چھٹی تھی وہ دیر تک سوتی رہی ساڑھے دس بجے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ اٹھ کر باہر آئی پردے ابھی تک کھڑکیوں کے آگے تھے ورنہ دادا اس وقت تک سارے گھر میں روشنی بھر دیا کرتے تھے مگر آج وہ بھی سوئے ہوئے تھے۔ وہ ان کے کمرے میں داخل ہوئی مسکراتے ہوئے

پردے ہٹائے، اٹھانے کے لیے جھکی۔ اس کے ہاتھوں میں ان کے برف ہوتے وجود کی ساری ٹھنڈک اتر آئی تھی۔ اس نے دوبارہ چھو ا پھر سر سینے پر رکھ کر دل کی دھڑکن سنی وہاں گہری خاموشی تھی۔۔۔ اسے یقین نہیں آیا اس نے ہلایا ایک بار، دوبار، تین بار۔ کتنی دیر ساکت ان کے پاس بیٹھی رہی پھر وہاں بے آواز چیخیں پھیلنے لگیں۔



ان دنوں صائم لاہور این سی اے میں جاب کر چکا تھا اور ساتھ فیکٹری کی دیکھ رکھ بھی اس کے ذمے تھی۔ ولید کا یونیورسٹی میں آخری سال تھا۔ گرویر ان ہو گیا تھا رشتے دار افسوس کرنے آتے تھے اسے ان سے الجھن ہونے لگی تھی ان کے افسوس بھرے جملوں سے ان کی باتوں سے۔ پندرہ دن بعد وہ واپس لوٹ آئی تھی کیمبرج کے ویرانے میں۔ اب اگر پوری دنیا بھی اس کے ساتھ ہوتی تو ویرانگی اور تنہائی کا احساس ختم نہ ہوتا۔ سب سے زیادہ خوف اسے دادا کی بہن سے آیا تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ وہ پاکستان آجائے مگر اس نے انکار کر دیا تھا کہ صرف چھ ماہ باقی ہیں وہ پڑھائی ادھوری نہیں چھوڑنا چاہتی۔ انہوں نے اسے کہا تھا کہ وہ یا تو انہیں اپنی پسند بتا دے یا پھر ان کی مرضی یہ تھی کہ صائم یا ولید میں سے کسی کے ساتھ اس کی بات طے کر دی جائے وہ ہاتھ گود میں رکھے گھورتی رہی تھی اور وہاں چھ ماہ گزر بھی گئے روتے بلکتے۔ اس کی پڑھائی ختم ہو گئی تھی مگر وہ واپس نہیں لوٹی اس نے ڈگری ملنے کے بعد ولید کو فون کیا تھا۔ اسے تصویر بھی بھیجی تھی سرخ



متورم آنکھیں۔

"میں خوش ہوں اور تمہاری واپسی کا منتظر۔" اس نے کہا تھا مگر وہ نہیں لوٹی اس نے وہیں سے کچھ ممالک میں جاب کے لیے اپلائی کیا تھا۔ تین جگہ سے کال آئی تھی جس میں اس نے جو رجیا منتخب کیا تھا۔

جو اگر کوئی نہیں ہے تو پھر وہ ہر کہیں ہے۔ وہ بھی کسی کے لیے ہر کہیں تھی۔ صفر ہونا نہ ہونا نہیں بلکہ لامحدود ہو جانا ہے، وہ بھی صفر ہو گئی تھی۔ اس کے لیے دنیا حیرت کدے میں بدل گئی تھی۔ اس حیرت کدے کا دروازہ ماسی جیراں نے اسے دکھایا تھا۔۔۔ دادانے۔۔۔ جونے۔۔۔ ماں باپ کی موت نے۔۔۔

وہ تھی اور اب کہیں نہیں تھی۔ وہ کس کی تلاش میں تھی وہ نہیں جانتی تھی جب وہ اسے مل گیا تو وہ اسے نہیں مل سکا اور یہی عطار کے پرندے کا سچ تھا۔۔۔ یہی گوتم بدھ کی زندگی کا نچوڑ تھا۔۔۔ یہی حیرتیں تھیں جس نے اسے فنا کی طرف راغب کر دیا تھا۔ سب کچھ اس کا تھا پر نہیں تھا۔

یہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس گرینڈ ڈیزائن کا حصہ ہے۔ اس گرینڈ ڈیزائن میں ہم دھکیلے جاتے ہیں نامعلوم کی طرف

وہ نہیں جانتی تھی روح کس سے بنی ہے مگر وہ اپنے اندر بہتے لہو کی آواز سنتی تھی۔

روح کس سے بنی ہے۔۔۔

روح کس سے بنی ہے۔۔۔ یارب

اور جسم جو ستاروں کے غبار سے بنے ہیں۔۔۔ آکسیجن، نائٹروجن اور ہائیڈروجن

سے، کاربن سے۔۔۔ اور روہیں۔۔۔ یہ قدیم روہیں۔۔۔ یہ کس سے بنی ہیں۔۔۔

بھورے کاغذوں جیسی قدیم روہیں

دنیا کے جواز کی متلاشی

اپنے وجود کی منکر

اپنے وجود کی ثناء خواں

جسموں میں قید بے چاری اسیر روہیں

جن سے بوسیدگی کی باس

جلد کی تہوں کے نیچے سے بھی اٹھتی ہے

شیزوفینک قدیم روہیں

بھورے کاغذوں جیسی

جن پر درج ہیں ادھوری بے انجام کہانیاں

ڈھونڈتی پھرتی ہیں دنیا میں آکر

قریہ قریہ، محفل محفل

قاری کتاب دل

جوان پر درج کہانیوں کی تلاوت کر کے انجام لکھ دے  
 جانے کیوں محسوس نہیں کر سکتیں  
 وجود کے ریشوں میں بہتی عہد الست کی لہروں کو  
 کہ یہ ادھوری کہانیاں بس ایک کن کی محتاج ہیں  
 کہ جس زبان میں درج ہیں  
 وہ زبان تو بس وہ ہی جانتا ہے  
 اسی نے پیدا کیے پہلے حروف تہجی  
 پھر ان کو لفظوں کا روپ دیا  
 وہی تلاوت کا حقدار ہے  
 وہی تلاوت کر بھی سکتا ہے  
 وہ جو چاہے تو سارے زیر، زبر، پیش بدل دے  
 اسی کے ہاتھ میں ہے علم عروض  
 وہ جو چاہے تو  
 روحوں پر لکھے نغموں کی لے بدل دے  
 ان کی کہانیوں کو اختتام دے دے  
 مگر جو اس کو نہ ڈھونڈ سکو تو۔۔۔

اگر وہ نہ چاہے تو۔۔۔

اور آج وہ چاند کی لی گئی سب سے پہلی تصویر کے سامنے کھڑی کچھ سوچ رہی ہے ، نہیں جانتی کہ اس کی زندگی بدلنے والی ہے۔ یہ تصویر وپل نے ہارورڈ کالج کی رصد گاہ میں دوسرے سائنسدانوں کے ساتھ مل کر کھینچی تھی۔

ہم جتنا زیادہ صاف کسی خلائی وجود کو دیکھتے ہیں اتنا ہی وہ خوبصورت دکھتا ہے۔ اب تو چاند کا سارا نقشہ تیار ہو چکا ہے۔

وہاں بادلوں اور امرت کے، طوفانوں اور سکون کے، خوشی اور بارشوں کے سمندر ہیں۔۔۔ یہ سب چاند کے مختلف حصوں کے لاطینی ناموں کے ترجمے ہیں۔

وہاں کا پرنکس جو کہ قدیم ماہر فلکیات تھا اس کے نام پر ایک شہاب ثاقب سے پڑنے والا گرہا ہے۔ عجب خوبصورت نام دیے گئے ہیں چاند کی زمین کو۔

اگلا سارا دن وہ برآمدے میں لگے جھولے پر آڑھی ٹیڑھی بیٹھی سپینسر کو پڑھتی رہی تھی۔ شام کو ہالڈن اسے اور اولیویا کو لینے آیا تھا۔

"آپ دیکھتی ہیں یہاں پرانے تبیلیسی میں کس طرح روسی عمارتیں ہیں بد صورت اور ایک سی۔۔۔"

وہ مسکرائی تھی وہ جانتی تھی ہالڈن سوویت یونین کے کتنا خلاف تھا۔

"آپ کا دریا متکواری بہت خوبصورت ہے۔" ہالڈن مسکرایا تھا۔

وہ اس کے گھر جاتے وقت عجیب اضطراب کا شکار تھی مگر اندر داخل ہوتے ہی ساری بے چینی ہوا ہوئی تھی۔

کتنا خوبصورت گھر تھا اس کا اور اس سے بھی خوبصوت لوگ۔۔۔ اس کا خاندان۔



مورسی کی وفات کو کچھ دن ہوئے تھے اور کشمیر بھارت میں ضم ہو چکا تھا کوئی اعلان جنگ نہیں تھا۔ اس نے ہیڈ لائنز پڑھتے ہوئے ماتھا مسئلہ۔ صبح سے سر میں شدید درد تھا کہ زین کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"سر میں ریزائن کرنا چاہتا ہوں۔" وہ جو پریشانی سے ماتھا مسئلہ رہا تھا حیران ہوا "پر کیوں؟"

"میں بہت پریشان ہوں۔" ولید نے نا سمجھی کی کیفیت میں اسے دیکھا۔

"یہ کمپنی بہت اچھی ہے۔۔۔"

"تو۔۔۔"

"اصل میں ایمان کو پرپوز کرنا چاہتا ہوں اس لیے۔"

"مگر اس سے ریزائن کا کیا تعلق ہے۔" چہرے پر حیرانی در آئی۔ وہ اس وقت اس کا استعفیٰ افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

"اصل میں میاں بیوی کو ایک جگہ کام نہیں کرنا چاہیے۔"  
 "پروجیکٹ کی نئی اینالیسس بھیجی ہے وہ جا کر چیک کرو۔۔۔" ولید نے درشتی سے  
 کہتے ہوئے اخبار سمیٹا۔

اپنی بات کو اہم نہ سمجھے جانے پر زین نے منہ بنایا تھا۔  
 "اس پر تو اتنے دن سے کام کر رہا ہوں۔۔۔ دو سولائز کا کوڈ ہے۔۔۔ ہاں شاید میں  
 اس وجہ سے ریزائن کرنا چاہتا ہوں۔"  
 "کوڈ لیکر آؤ۔" ولید کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

"پروگرامنگ شاعری کی طرح ہے تم اسے بھدے اور کثیف طریقے سے بھی کر  
 سکتے ہو اور خوبصورتی سے بھی۔" اس نے کوڈ دیکھتے ہوئے تاسف سے سر ہلایا تھا۔  
 "پر سر یہ گولڈ اور سلور نمبرز نکالنا یہ بہت مشکل ہے کہ پہلے اور آخری تین نمبرز  
 ایک جیسے ہوں اور پیچ کے مختلف۔"

"میں اسے چیک کرتا ہوں گھر میں تم یہ استغنے کا خیال نکالو دل سے۔"  
 "اور ایمان کا بھی؟" زین نے منہ بنایا۔

"نہیں اس کے لیے وہ کرو جو صحیح طریقہ ہے۔"

"وہ کیا؟"

"یہ بھی اب میں بتاؤں۔" ولید نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے کہا تھا۔



"اپنے گھر والوں کو بھیجو اس کے گھر۔"

اوہ۔۔۔ "زین ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے اٹھا تھا۔"



"تم چاہے جتنا مرضی بھاگ لو میں جانتا ہوں ایک دن تمہیں یہیں میری طرف لوٹنا ہے۔۔۔ مگر مجھے خوف آتا ہے کہ جب تم لوٹو اور میں موجود نہ ہوا۔۔۔ اور میری غیر موجودگی صرف موت کی وجہ سے ہوگی ورنہ میں زندگی کی آخری سانس تک تمہارا انتظار کروں گا اور میں تا عمر اُن اُن دیکھے لوگوں سے جلوں گا جو اب تمہارے بہترین دوست ہوں گے، تم ان کے ساتھ ہنستی ہوگی، اپنے آفس کے مسائل ڈسکس کرتی ہوگی، ڈنر کرنے جاتی ہوگی، کافی پیتی ہوگی۔۔۔ میں ان سے تاحیات حسد کروں گا اور تمہارا انتظار کروں گا۔۔۔"

وہ کھڑکی سے نظر آتے سمندر کو دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔

اسے معلوم نہیں ہوا وہ کب سویا تھا مگر آنکھ اس کی یکدم بجنے والی فون کی گھنٹی سے کھلی تھی۔ اس نے لاشعوری طور پر کھڑکی کی جانب دیکھا جہاں شیشوں پر ستارے عکس ہو رہے تھے پھر موبائل اٹھایا۔

فون کا نمبر انجان تھا۔ اس نے سبز بٹن پر انگلی پھیرتے ہوئے بمشکل ہیلو کہا تھا۔ دوسری طرف کوئی بول نہیں رہا تھا دل بری طرح دھڑکا تھا اور پھر تھوڑی دیر بعد

سسکیاں شروع ہوئی تھیں۔ یکدم اس کے سارے حواس بیدار ہو گئے تھے۔ وہ بستر سے نکل کر سامنے دیوار تک آیا اور ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ بالوں پر اضطراری انداز میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی سسکیاں سننے لگا۔ آنکھوں سے نمی پھیل کر اس کے چہرے پر آرہی تھی۔

"کہاں ہو۔۔۔ ٹھیک ہو یا نہیں۔" اس نے خود کو کچھ دیر بعد بولتے سنا، بولتے ہوئے دقت ہوئی تھی۔  
کوئی جواب نہیں تھا۔

"میں آرہا ہوں۔۔۔ کہاں ہو۔۔۔" وہ بے چینی سے پوچھ رہا تھا۔

"اگر تم آئے تو تو میں یہ جگہ چھوڑ دوں گی۔"

"میں نہیں آؤں گا پر بتا دو کہ کہاں ہو۔" اس کا دل چاہا تھا موبائل اٹھا کر دیوار پر دے مارے اپنے ارد گرد کی ہر چیز تھس تھس نہس کر دے۔

دو دن بعد اولیو یا اور اسے واپس ابستومانی لوٹنا تھا۔ رات کو وہ کچھ شاپنگ کرنے نکلی تھی اولیو یا کے کچھ رشتہ داروں نے آنا تھا اس نے سوچا اسے کچھ دیر کے لیے گھر خالی کر دینا چاہیے۔

ایک دو گھنٹے اس نے قریبی مال میں گزارے تھے۔ وہاں کچھ شاپنگ کرنے کے بعد اس نے واپس جانے کا سوچا۔ کچھ دیر بعد وہ شاپرز سنبھالتی کیب میں بیٹھی تھی۔ کیب والا

جانے اسے کس راستے سے لیکر آیا تھا گلی جو اولیویا کے گھر کی طرف جاتی تھی تنگ اور تاریک تھی۔ وسط میں ایک مدھم سا بلب روشن تھا وہ کیب والے کی آسانی کی خاطر پہلے اتر آئی تھی۔ وہ سنبھل سنبھل کر قدم رکھتی چل رہی تھی کہ یکدم اس کے آگے چلتی عورت کے سامنے کوئی چاقو لہراتا نمودار ہوا تھا۔ عورت کے ساتھ اس کی بھی چیخ نکلی تھی۔ اتنی مدھم روشنی میں وہ کسی کا چہرہ واضح نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اگلے پل اس نے عورت کے گلے پر چھری پھیر دی تھی۔ اس کے ہاتھ سے سارے شاپرز چھوٹ کر نیچے گرے تھے۔ سارا وجود برف ہو گیا تھا اور دماغ سلب۔ اسے سمجھ نہیں آیا کیا کرے۔ اسی پل وہ اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ شاید چیخنا چاہتی تھی مگر ناکام تھی وہ برف کے مجسمے کی طرح کھڑی رہی اور وہ قاتل بغیر رکے اس کے پاس سے گزر گیا جیسے اسے دیکھا نہ ہو۔ اس کے جانے کے بعد تک اسے سانس نہیں آیا تھا۔ کچھ دیر میں آس پاس سے لوگ لاش کے گرد جمع ہونے لگے تھے۔

پتا نہیں کتنی دیر وہ وہاں جامد رہی تھی پھر بمشکل گھسٹتی ہوئی گھر پہنچی۔ شاپنگ کا سب سامان وہیں رہ گیا تھا۔ اولیویا اس کا سفید چہرہ دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ بمشکل رات تک اس کی طبیعت سنبھلی تھی۔

کمرے میں اولیویا کے مدھم خراٹوں کی گونج تھی اور اس پل رات کے پونے تین بجے ولید کے فون کی گھنٹی بجی تھی۔

"جورجیا۔" اس نے آنکھوں سے پھسلتے آنسوؤں کو بری طرح صاف کرتے ہوئے

کہا تھا۔

"تو عطار کا پرندہ کوہ قاف پہنچ گیا۔"

"تم جانتے تھے۔۔۔ میں۔۔۔ یہاں۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ میں کیسے جان سکتا تھا۔۔۔" وہ رو نکھنا ہوا۔

"اس جھیل میں۔۔۔ میں نے اپنے کٹے ہوئے بال دیکھے ہیں اور میری چادر تیرتی

تھی مگر میں کہیں نہیں تھی۔"

وہ کس سے بھاگ رہی تھی خود سے وہ خود سے بھاگ رہی تھی۔ اس کا مثالی آئینہ ٹوٹا

تھا وہ اپنی شکل بھول چکی تھی۔



"آج کرسمس ہے یہاں اس نے فون پر ولید کو بتایا تھا۔۔۔" اگلے دن شام کو ولید کی

کال آئی تھی۔ یہ اس دن اس کی چھٹی کال تھی۔

وہ اسے تین برسوں کی تفصیل ان چھ کالوں میں لے چکا تھا۔ آج وہ آفس بھی نہیں

گیا تھا۔ ساری تفصیل اس کے کام کی جگہ کی، ہاسٹل کی۔۔۔ مگر چین ابھی بھی نہیں آرہا تھا۔

"تم دوبارہ اس جھیل پر جاؤ گی۔"

"میں بھی سوچ رہی تھی۔۔۔" وہ مسکرائی تھی۔

"تمہیں لائیو جھیل دکھاؤں گی موبائل سے۔ صائم بھیا کیسے ہیں؟"  
 "ٹھیک ہیں۔۔۔۔ تمہیں یاد کرتے ہیں۔" اس نے جواب میں گہری سانس لی تھی۔  
 "اور ماسی جیراں۔"

"ڈیڈھ سال پہلے انتقال ہو گیا۔"

"ہنہ۔۔۔" اس نے اضطراری انداز میں انگلیاں چٹخائیں تھیں۔

"صوفیہ کی شادی ہو گئی دو بچے ہیں اس کے۔۔۔ سارا ایچ ایس وائے کے ساتھ کام کر رہی ہے، شادی بھی ہو گئی ہے اس کی کبھی آتے جاتے ملتی ہے تو تمہارا پوچھتی ہے۔  
 - شمعون جو اس مٹھائی کی دکان پر کام کرتا تھا، گھر سے بھاگ گیا تھا ابھی پچھلے دنوں ملا ہے  
 اور وہ چوک میں جو ایک معذور پاگل پھرتا تھا جس نے تمہیں دانت کاٹنے کی کوشش کی  
 تھی اب تو وہ بھی بوڑھا ہو رہا ہے۔" آخر

میں آواز نم ہوئی تھی ولید کلکس بک کروا چکا تھا مگر اسے بتایا نہیں تھا۔  
 "اور۔۔۔۔"

"کچھ قبریں ہیں یہاں جو تمہیں یاد کرتی ہیں۔۔۔ اور۔۔۔"

"اور۔۔۔" نور کی آواز بھرا گئی تھی۔

"اور میں۔"

ناشتے پر ہی اس نے اولیویا کے ساتھ اس جھیل پر جانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ تین سال پہلے وہ ابستومانی سے گوداوری گئی تھی۔ اس نے بڑے اشتیاق سے جورجیا میں موجود کوہ قاف کے علاقے کے بارے میں تحقیق کی تھی۔ وہاں تو بہت ساری جھیلیں تھیں اور سب ہی اپنی مثال آپ۔ اس نے اس جھیل کا انتخاب کیا تھا جہاں وہ آسانی سے پہنچ سکتی تھی۔ اور وہاں جا کر اسے احساس ہوا وہ وقت سے پہلے اس جھیل پر پہنچ گئی ہے شاید کوئی وادی بیچ میں چھوٹ گئی ہے یا شاید کچھ وادیاں ادھوری رہ گئی ہیں، شاید استغنا کی وادی وہ مکمل عبور نہیں کر سکی یا شاید حیرت کی وادی میں وہ ابھی داخل ہی نہیں ہوئی کیونکہ وہ وہاں اپنا چہرہ انہیں دیکھ سک رہی تھی وہاں تو جو تھا، اس کی چادر تھی، کٹے ہوئے بال تھے۔

اگلے دن اولیویا اور وہ ناشتے کے بعد نکلی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے ہمارے ہاں کوہ قاف کی کتنی خوبصورت کہانیاں مشہور ہیں۔"

اولیویا نے دلچسپی سے سڑک پر گاڑی چلاتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"ہماری جھیلوں پر کوہ قاف کی پریاں اترتی ہیں اور تمہیں دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ یہ سچ ہے اگر تم میرے ملک آؤ تو لوگ تمہیں پری ہی سمجھیں گے۔" اولیویا نے قہقہہ لگایا تھا۔

"ہمارے ہاں ذرا مختلف کہانیاں رائج ہیں کوہ قاف کی۔ جیسا کہ پرو میتھیس نے جب آگ چرا کر انسان کو دی تو اسے دیوتاؤں نے غصے میں کوہ قاف میں بدل دیا۔۔۔ اور



اس کا جگر کواکھاتا ہے۔۔۔ اور ایک کتا اس کے زخم چاٹ کر مند مل کرتا ہے۔"

اولیویا نے ایک جگہ گاڑی روکی یہ مشخیتا کا علاقہ تھا جہاں متکواری اور اراگوی دریا کا سنگم تھا۔ وہ کچھ دیر وہاں کھڑی نظارہ کرتی رہیں۔

ایک طرف چند کھوکھے تھے جن میں قدیم طرز کی ٹوپیاں اور لباس اور دستانے بیچنے کی غرض سے رکھے گئے تھے۔۔۔ وہاں سے نکل کر وہ اناوری قلعے تک آئی تھیں۔ یہ قلعہ اراگوی کے کنارے پر تھا۔ اس قدر ٹوٹا پھوٹا اور بنجر تھا کہ ابھی منہدم ہوا کہ ابھی اس کے باوجود وہ اوپر چڑھ آئی تھیں۔

اوپر جاتے ہوئے چھوٹے چھوٹے کمرے آتے تھے جس میں روزن تھے اور زمین یا نچلے کمرے کی چھت درخت کے تنوں سے بنی تھیں جس پر چلنا بہت ڈراؤنا تھا۔

چھت پر کچھ دیر تصویریں بنانے کے بعد پھر سے انہوں نے گوداوری کی طرف سفر شروع کیا تھا۔

"ہاٹل میں نے سکیننگ ایریا کے قریب بک کر دایا ہے وہاں چیئر لفٹ پر بھی بیٹھیں گے۔۔۔ اور سکیننگ سے بھی لطف اٹھائیں گے۔"

"مجھے وہ جھیل بھی دیکھنی ہے۔" پتا نہیں اس نے کیوں یقین دہانی چاہی تھی۔

"ہاں وہاں لازمی جائیں گے لیکن یہ کل پر چھوڑا ہے کیا کہتی ہو۔ اگر تمہارا دل ہے

تو آج چلے جائیں گے۔۔۔"

وہ خاموش رہی تھی۔

"پہلی دفعہ جب تم نے اس جھیل کو دیکھا تھا تم گم صم ہو گئی تھی۔"

"یہ کہانی بہت قدیم ہے۔۔۔۔۔" وہ بڑبڑائی تھی۔۔۔۔۔

"عطار ایک فارسی شاعر تھے ان کا قصہ ہے کہ بہت سے پرندے اپنے بادشاہ کی تلاش میں سات وادیاں عبور کر کے کوہ قاف پہنچتے ہیں اور وہاں اس جھیل کے پانیوں میں وہ اسے پاتے ہیں۔

جب میں نے یہاں وہ جھیل دیکھی حالانکہ ان سلسلوں میں تو ایسی کئی جھیلیں ہوں گی۔۔۔ شاید اس سے بھی خوبصورت مگر چونکہ میری رسائی یہیں تک تھی تو میں نے اس پل ان پرندوں کو وہاں اترتے دیکھا۔۔۔" اولیویا نے نرمی سے اس کا ہاتھ دبایا تھا۔ وہ وہاں پہنچ کر سیدھا ہٹل آئی تھیں۔

کوہ قاف کے اس پہاڑ پر رنگ ہی رنگ بکھرے تھے۔۔۔ سب موسم اور سکیننگ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔



"ایک دفعہ ایک پروگرامر کو اس کی ماں نے کہا۔ بیٹا دکان سے ایک درجن انڈے لے آؤ اور اگر دودھ ہو تو دو لے آنا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں دو انڈے تھے۔

ماں نے پوچھا دو انڈے کیوں۔۔۔ اس نے جواب دیا کیونکہ اسکے پاس دودھ تھا۔  
ولید نے تاسف سے ہنستے ہوئے زین کے سامنے کوڈ رکھا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کا کوئی  
علاج نہیں ہے۔

کوڈ صرف گیارہ اعداد پر مشتمل تھا۔ زین نے اپنے بال کھینچ لیے۔  
"ہاؤ کین یو ڈو دس۔۔۔"

"دیکھ لو۔۔۔ پروگرامنگ از این آرٹ۔۔۔ زندگی تبھی خوبصورت لگتی ہے جب  
سائنس کا فن اور فن کی سائنس سمجھ آجائے۔"

"ابھی تو فی الحال میں زندگی کی خوبصورتی کو ایک اور زاویے سے دیکھنا چاہ رہا  
ہوں۔۔۔ آج ایمان کے گھر جا رہے ہیں میرے گھر والے۔"  
"دین بیسٹ آف لک۔"

اس نے بال پوائنٹ ہاتھ میں گھماتے ہوئے اسے کہا۔



کمرے کے گھپ اندھیرے میں کسی کی آواز گنگناہٹ کی صورت پھیل رہی  
تھی۔۔۔ اور باہر سے مسلسل جھگڑے کی آوازیں آرہی تھیں۔

جونے شیشے میں دیکھا تھا اس پل اسے وہ نظر آئی تھی۔ وہی سنہرا منظر اس پارٹی  
کا۔ اس نے شہادت کی انگلی سے اس کے عکس کو چھونا چاہا تھا مگر وہ تحلیل ہو گیا۔۔۔ باہر سے

آتی مسلسل جھگڑنے کی آوازیں ناقابل برداشت تھیں۔۔۔ آج اس کی منگنی کا فنکشن تھا۔۔۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑے موبائل پر جلتا بجھتا نام دیکھا۔۔۔ سر جھٹکا دھیرے سے کسی اور کا نام بڑبڑایا۔۔۔

"پاگل لڑکی۔۔۔" مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی پھر یکدم سمٹ گئی۔ اس نے فون کو فلائٹ موڈ پر لگا کر اگلے دن کا شیڈول کھولا۔

ماں باپ تھک کر چپ ہو چکے تھے، وہ پاگل لڑکی بھی اب گنگنا نہیں رہی تھی کمرے میں مدھم آواز میں سی ڈی پلیئر آن تھا اور جو رقص کر رہا تھا۔



وہ اندھیرے میں چلتی ہوئی یہاں پہنچی تھی وہاں سے اس نے پورے چاند کی روشنی میں اس جھیل کو دیکھا اور کتنی دیر دیکھتی رہی پھر چلتے چلتے شل ہوتے وجود کے ساتھ اس تک پہنچی تھی۔ برف کا سفوف اس کے کپڑوں اور سر پر پڑ رہا تھا۔ اولیویا اس کے کمرہ چھوڑنے اور یہاں آنے سے بے خبر تھی اس نے دیکھا جھیل میں چاند عکس ہو رہا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل اس کے کنارے آ بیٹھی تھی پھر دھیرے سے اپنی انگلیاں ان برف ہوتے پانیوں میں ڈبو دیں۔ چاند کا عکس لرزا تھا۔ اس پل یکدم وہاں رنگ پھیلے تھے اور ان میں پڑتی دراڑوں میں سے اسے ان گنت پرندے نکل کر جھیل پر اترتے تھے۔ کچھ دیر میں وہ ان گنت پرندے اس کے ساتھ کنارے پر جمع تھے اور اپنا عکس ان پانیوں میں

دیکھتے تھے۔ نور کے ٹھنڈ سے سفید پڑتے چہرے پر گرم سیال بہہ رہا تھا۔

"کون ہیں ہم۔۔۔ کیوں ہیں ہم۔۔۔ ہم نہ ہوں تو کیا اور ہوں تو کیا۔" اس نے ڈرتے ڈرتے جھیل کے پانیوں پر بند آنکھوں سے سر جھکایا تھا۔ اس کے آنسوؤں کا نمک اس پانی میں شامل ہونے لگا اور پھر کتنی دیر بعد اس نیلے پڑتے وجود نے آنکھیں کھولی تھیں۔ پہلے کچھ پل وہاں کچھ نہیں تھا اور اب وہ خود تھی۔۔۔ وہ کتنی دیر اپنا عکس ان پانیوں میں لرزتے دیکھتی رہی آسمان پر تارہ ٹوٹا تھا اور آکر اس کے عکس کے ساتھ عکس ہوا تھا، اتنے میں موبائل بجا تھا۔

نور نے اپنا سر بر فوں پر رکھ دیا تھا۔۔۔

"میں اور سمندر اور آسمان کے سارے ستارے۔۔۔ تمہیں یاد کرتے ہیں۔" اس کے کال اوکے کرتے ہی ولید نے سرگوشی کی تھی۔

"میں بھی۔۔۔" اس نے کہہ کر کچھ دیر خاموشی اختیار کی پھر فون بند کر دیا تھا اور ولید جان نہیں سکا کہ وہ اس رات وہیں سو گئی تھی یا شاید ہوش کھو گئی تھی۔

سورج کی کرنوں نے اس کی بند آنکھوں پر دستک دی تھی۔ وہ بمشکل اپنے اکڑے جسم کو ہلانے کے قابل کر سکی تھی گھسٹی ہوئی ہاٹل واپس آئی تو اولیو یا ابھی تک سو رہی تھی۔ وہ بھی بستر پر گر گئی تھی۔

دوپہر کے وقت اولیو یا نے اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اٹھایا۔

"تم یہاں سونے آئی ہو؟"

اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر اس کو دیکھا۔

"پانچ منٹ دو میں آتی ہوں۔۔۔"

کھانے کے بعد دونوں سکیننگ ایریا آئی تھیں جہاں سفید برف پر قوس قزح بکھری تھی۔ ہر رنگ کی سنوجیکٹ چلتی پھرتی ہوئی نظر آتی تھی۔ چیئر لفٹس اوپر پہاڑ کی چوٹی تک جا رہی تھیں۔ وہ بھی اوپر آگئیں یہاں سے سکیننگ کرتے ہوئے لوگ نیچے جا رہے تھے۔ موسم اچانک اتنا سرد ہو گیا تھا کہ وہ بمشکل بول پا رہی تھی۔ جسم میں ابھی تک اکڑاؤ اور تکلیف تھی۔۔۔ وہ وہاں مر سکتی تھی۔۔۔ وہ اولیویا کو اپنی رات کی کارستانی کے بارے میں بتانے کی ہمت نہیں کر سکی تھی۔

وہاں برف پر وینڈ چیئرز کا انتظام تھا۔ وہ ان پر بیٹھیں ہاتھوں میں کافی کے مگ لیے کتنی دیر باتیں کرتی لطف اٹھاتی رہیں۔ کوہ قاف کے اس حسین منظر کو تکتی رہیں جو ان کا اندر

زندہ کرتا تھا۔

You are a vineyard newly blossomed  
Kind and obedient, planted in Eden's garden,  
You have the scent of Paradise,  
Blessed by God, there is no one better than you,  
You are the sun shining bright..."



وہاں سے واپس آئیں تو محفل موسیقی کا انتظام تھا۔ یہ مشہور گیت ایک بادشاہ نے جو اس وقت خانقاہ میں رہبانیت اختیار کیے ہوئے تھا مریم کے لیے لکھا تھا۔ وہ اس حسین منظر اور برف ہوتی وادی میں ڈیمیسٹری کا لکھا وہ گیت سنتی تھیں۔  
وہ اونی شالیں لپیٹے، کانوں تک ٹوپیاں پہنے بیٹھی تھیں۔

پھر لوک گیت شروع ہوئے اور آہستہ آہستہ جدید موسیقی اور گانوں کا آغاز ہوا۔ کچھ لوگ اٹھ کر رقص کرنے لگے آگ کے قریب، بون فائر کے شعلے آسمان تک جاتے تھے۔ کسی نے اپنے ساتھ اولیویا کو رقص کی دعوت دی تھی۔ وہ اب وہاں سامنے تھی۔ وہ ان سب کو دیکھتی تھی۔ ولید کی کال اسی دوران آئی تھی۔

"ٹھیک ہوں اس ٹائم کانسرٹ میں ہوں۔۔۔" وہ چیخ کر بولی۔

"میں بعد میں۔۔۔"

"نہیں اس اوکے۔۔۔" وہ اٹھ کر دور چلی آئی۔

"پرسوں تمہاری سالگرہ ہے۔۔۔" وہ پس منظر میں ابھرتے مدہم گیت کی آواز بھی سن سکتا تھا۔

نور کے چہرے پر مسکان پھیل گئی آسمان پر چودھویں کا چاند اور بون فائر کے شعلے مسکرائے تھے۔

اس نے سوچا وہ اس کو بتائے کہ وہ ریزائن کر رہی ہے مگر پھر اس نے ارادہ

ملتوی کیا تھا۔



"دو لوگ جو محبت کرتے ہوں وہ کبھی نہیں بچھڑتے۔" وہ پیری لوٹی میں تھے۔ لفٹ میں۔۔۔ نیچے استنبول کی بیکراں سبز پہاڑیاں پھیلی تھیں جو قبروں سے ڈھکی تھیں۔

وہ اداسی سے مسکرایا۔

"کل میں تمہارے گھر آؤں گا۔"

"کس لیے۔" اس نے جان بوجھ کر پوچھا تھا سر پر سکارف ابھی تک جما تھا جو اس نے

حضرت ابو ایوب انصاری کے مزار پر نماز کے دوران باندھا تھا۔

"تمہاری ممی کو پاکستان آنے کی دعوت دینے۔"

"اور مجھے۔" وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر ہنسی تھی اس کی ہنسی میں سارے جہاں

کی خوشی تھی۔

"میں انتظار کروں گی۔۔۔"

قسطنطنیہ شہر کے محاصرے کے دوران حضرت ابو ایوب انصاری کی وفات ہوئی تھی

ان کو یہیں پر دفنایا گیا۔ مزار کے باہری حصے میں کھلا احاطہ تھا جہاں ریسٹوران اور دکانیں

تھیں۔ اندر بے پناہ رش تھا۔ نماز کے لیے صائم کو باہر جگہ ملی تھی بعد میں وہ زیارت کے

لیے قطار میں کتنی دیر کھڑا رہا۔ ان کی قبر کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے فاتحہ پڑھی تھی۔ وہاں سے لفٹس پیری لوٹی تک لیکر جاتی تھیں۔

وہ نیچے اترے تو دوسری طرف بھی بے پناہ رش تھا شاید یہ ویک اینڈ کی کرامت تھی۔ صائم کی پرسوں واپسی تھی اور یہ پندرہ دن اس نے زندگی جی لی تھی۔

وہاں قبروں کے درمیان انہوں نے قہوہ خانے کھول رکھے ہیں یعنی آپ عالم ارواح میں سستاتے ہیں اور کافی اور چائے پیتے ہیں جہاں باسفورس کی نمکین مہک ہے وہیں ایک گلی اوپر چڑھتی ہے۔

"ہم سب اتنے الگ کیوں ہیں۔۔۔ الگ الگ دکھوں اور خوشیوں میں گرفتار۔" اس نے سیاحوں پر نظر دوڑاتے عجب خوشی من میں محسوس کرتے ہوئے کہا تھا۔  
 "ہم جس طرح ہیں اسی طرح قدرت کو نفع دے سکتے ہیں۔۔۔ ہم وہی زندگی جیتے ہیں۔"

"یہاں بہت رش ہے آگے چلتے ہیں۔" وہ آگے چلے آئے تھے جہاں اکا دکا لوگ موجود تھے اور قبریں۔

اس نے جوتے اتارے اور ننگے پاؤں ان کے درمیان چلنے لگا۔

مارپے جو پیچھے چل رہی تھی اس نے دیکھا تو بھاگ کر آئی۔

"آپ یہ جوتے مت اتاریں۔" اسے لنگڑاتے دیکھ کر اسے تکلیف ہوئی تھی۔

"نہیں میں یہ لمس۔۔۔ زمین کا لمس محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ پتا نہیں کتنا عرصہ ہو گیا ہے میں نے اپنے وجود کو محسوس نہیں کیا۔" وہ دونوں ساتھ چلنے لگے۔

"ہوووو۔۔۔" یہ ماریے تھی وہاں اس وقت صرف دو لڑکے اور موجود تھے۔ انہوں نے چونک کر مڑ کر دیکھا پھر اپنی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ اس کے دل کی ہوک پوری وادی میں جا پھیلی تھی۔

"تم بھی کرو۔۔۔" اس نے اس سے سردی سے سرخ ہوتے ہوئے صائم سے کہا۔  
 "اچھا لگے گا۔۔۔" اور پھر وہاں صائم کی ہوک پھیلی چلی گئی تھی۔  
 وہ اپنی آواز وہاں چھوڑ کے جا رہا تھا مگر وہ اداس نہیں تھا کہ یہ رشتہ جو قائم ہوا تھا ٹوٹنے والا نہیں تھا۔



برف پر قدموں کے نشان یوں بنتے تھے جیسے وقت کی بیکراں پھیلی سطح پر انسانوں کے نقوش۔ وہ قدم دھرتی رصد گاہ کی طرف بڑھتی تھی۔ فولڈر میں استعفیٰ تھا جو اسے آج دینا تھا۔ موسم کی ساری ٹھنڈک اور نمی روح تک پہنچ رہی تھی۔ ایک سنہری گلہری نے اسے دیکھا اور بھاگ کر اپنے گھونسلے کی طرف گئی تھی وہ

بے اختیار اس کے گھونسلے پر جھکی جہاں خشک میوے اور تین چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا تھا۔ ہال حسب معمول بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔

قدم دھرنے کی آواز بھی پھیلتی تھی وہ آفس میں داخل ہوئی تو ہالڈن کمپیوٹر کھول کر بیٹھا ہوا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ پر اہلم ہے۔۔۔ ابھی درست ہو جائے گی۔" وہ سکرین اتارے تاروں کے ساتھ نبرد آزما تھا۔

"گڈ مارنگ۔" اس نے اولیویا کو مسکراتے ہوئے مخاطب کیا۔

"گڈ مارنگ ڈارلنگ۔" وہ پیپرز پر جھکے جھکے بولی تھی۔

سارا دن وہ موبائل کو دیکھتی رہی تھی مگر ولید کی جانب سے خاموشی تھی۔ آج اس نے اسے کوئی میسج نہیں کیا تھا ورنہ اگر کال نہیں آتی تھی تو میسج ضرور آتا تھا۔ اس کو اسے بتانا تھا کہ وہ استعفیٰ دے رہی ہے۔ کل بتاتی ہوں اس نے ڈھلتے سورج کی روشنیوں میں خود کو گھلتا محسوس کیا تھا جو چھن چھن کمرے میں کھڑکی سے داخل ہو رہی تھیں۔

"چلو ایک کپ کافی کا ہو جائے۔" اسے کھویا دیکھ کر ہالڈن نے اپنا سامان سمیٹتے ہوئے مخاطب کیا تھا۔

وہ چونکی اور ایک دم ہنس پڑی۔

"تم باز نہیں آؤ گے۔"

"نہیں۔۔۔" وہ خوشدلی سے بولا تھا۔

"کب تک؟"

"جب تک موت کا فرشتہ نہیں آ جاتا۔"

"اوکے۔۔۔ تو پھر چلو۔" نور نے ڈیسک سے سامان سمیٹتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا۔" وہ بے یقینی سے بولا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کیفے میں تھے مگر میز پر ماحول وہ نہیں تھا جو ہونا چاہیے تھا۔ جو ہونا تھا۔ ہالڈن کے چہرے پر تناؤ تھا آنکھوں میں اداسی تھی۔

"میں استعفیٰ دے رہی ہوں۔۔۔ واپس جا رہی ہوں۔" نور نے ابھی چند لمحے پہلے

یہ کہا تھا۔

اور وہ اتنا حق نہیں رکھتا تھا کہ اس کو روک پاتا۔

"میں تم سے ملنے آؤں گا۔" وہ جذباتی ہو رہا تھا۔

"میں انتظار کروں گی کہ تمہیں خوش آمدید کہوں۔" وہ نمدیدہ ہوئی تھی۔

"اولیویا کو تمہارا یہ فیصلہ بالکل پسند نہیں آئے گا۔"

"اب فاصلے اس طرح سے نہیں ہیں کہ کاٹے نہ جاسکیں۔۔۔ ہم ملا کریں گے۔"

ہالڈن اٹھا تھا اور وہاں کونے پر بکتے پھولوں میں سے گلاب چن کر لایا تھا۔

"یہ تمہارے لیے۔"

شکریہ۔ "اس نے وہ گل دستہ تھامتے ہوئے کہا تھا۔"



ہاسٹل آکر وہ کتنی دیر ٹیرس میں کھڑی رہی تھی اسے یاد نہیں۔ جب سونے کے لیے لیٹی تو ٹانگیں شل ہو رہی تھیں۔

صبح آنکھ الارم کی آواز سے کھلی تھی۔ اس نے کسلمندی سے ٹائم دیکھا۔ اسے ناشتہ بنانا تھا پھر آفس کے لیے تیار ہونا تھا۔

کافی اور آملیٹ لیکر وہ ٹیرس میں آئی تھی اور ساکت ہو گئی۔ اس نے پلکیں جھپکیں وہ وہیں تھا، پھر جھپکیں اب بھی وہ وہیں تھا، پھر جھپکیں اب بھی وہ وہیں تھا۔ "ولید۔" وہ ٹیرس سے چینی تھی۔

اور وہ جس کے بالوں اور چہرے پر مسلسل برف پڑ رہی تھی ساکت اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں رات کو ہی آگیا تھا مگر گیٹ نہیں کھلا تھا۔۔۔ ساری رات بچ پر۔۔۔" اس کی کپکپاتی آواز۔۔۔ وہ پوری بات سنے بغیر نیچے دوڑی تھی۔

"ولید۔" وہ دوڑ کر اس تک آئی تھی پھولے سانس کے ساتھ بمشکل بولی تھی۔ ولید تو وہ ولید نہیں تھا یہ تو کوئی اور تھا جیسے کسی لمبی مسافت کے بعد کسی کے سر پر دھول جبی ہو، جیسے وقت نے کسی کا چہرہ بدل دیا ہو۔۔۔ مگر اس چہرے میں دادا کے چہرے کی جھلک اب بھی تھی، ان کی شفقت بھری مہربان آنکھیں بھی وہیں تھیں اور آنکھوں میں اس کے لیے احترام۔ اگلے لمحے وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے زمین پر بیٹھی تھی۔

ولید بھی گھٹنوں کے بل جھکا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ وہ اسے دوبار دیکھے گا۔  
 "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔۔۔ ہی۔۔۔ پی۔۔۔ برتھ ڈے۔۔۔" وہ سردی سے کپکپاتے  
 ہوئے بمشکل بول پارہا تھا۔



ختم شد

اس ناول پر اپنی رائے کا منٹ باکس میں دیں